ترجمہ :- رئیس احمد جعفری

جلیانوالہ باغ

(قاتل رائے عامہ کے کٹہرے میں)

"میں نے فائرنگ کی، اور اس وقت تک کرتا رہا جب تک مجمع منتشر نہ ہوگیا۔ میرا خیال ہے یہ کم سے کم فائرنگ تھی جس کا ہمہ گیر اور دُور رس نتیجہ برآمد ہوا۔ یہ میرا فرض تھا کہ ایسا کر گزرتا۔ اگر میرے دستِ قدرت میں اس وقت فوج کے مزید دستے ہوتے تو موجودہ تناسب سے ہلاک شدگان اور مجروحین کی تعداد کہیں زیادہ ہوتی۔ سوال صرف ایک مجمع کو منتشر کرنے کا نہیں تھا بلکہ فوجی نقطۂ نظر سے ان تمام لوگوں کو مرعوب کرنا تھا جو مجمع میں شامل تھے۔ بلکہ خاص طور پر ان لوگوں کو دہشت زدہ کرنا تھا، جو صوبۂ پنجاب میں بستے ہیں، لہٰذا غیر ضروری سفاکی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

یہ تھا جنرل ڈائر کا بیان جو انھوں نے ۲۵ اگست ۱۹۱۹ء کو دیا تھا اور اس بیان پر وہ ساری زندگی سختی سے قائم رہا۔

ان الفاظ نے انھیں لاکھوں آدمیوں کی نگاہ میں درندہ صفت انسان کی حیثیت سے روشناس کرایا۔

ایک انگریز سپاہی جس نے درندگی اور خون آشامی کا بے جھجک مظاہرہ کیا اور اپنے اس فعلِ زبوں پر کبھی شرمندہ نہ ہوا۔

۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیاں والا باغ امرت سر میں جو خون ریزی ہوئی تھی، ۱۹۲۰ء میں جنرل ڈائر کے اس سفاکانہ اقدام و عمل پر برطانیہ میں شور و شر برپا ہوا، اور انگلینڈ دو گروہوں میں بٹ گیا۔

ایک گروہ تھا جو جنرل ڈائر کا مداح اور ثنا خواں تھا کہ اس نے ۳۷۹ آدمیوں کو ہلاک اور ۱۲۰۰ آدمیوں کو زخمی کر کے شور و شر کرنے والوں اور مفسدہ پردازوں کو ایسا سبق دیا کہ ہندوستان ایک نئے غدر سے بچ گیا۔

دوسری جماعت وہ تھی جس کا خیال تھا کہ ڈائر کی اس درماندگی اور سفاکی نے جو قتل عام کی صورت میں ظاہر ہوئی، برطانیہ کے دامن پر ایسا دھبہ لگا دیا ہے جو جون آف آرک کو زندہ جلا دینے کے بعد سے اب تک رونما نہیں ہوا تھا، یہ ایک ایسا لرزہ خیز اقدام تھا، جس نے صرف ۲۸ سال کی قلیل مدت میں برطانیہ عظمیٰ کو اس جگمگاتے ہوئے ہیرے سے محروم کر دیا جو اس کے تاجِ خسروی کی زینت تھا۔

۱۹۲۷ء میں جنرل ڈائر کا انتقال ہو گیا اور کچھ ہی عرصے بعد برطانوی راج بھی ختم ہو گیا۔ سفید فام "صاحب لوگ" انڈیا سے بوریا بستر باندھ کر رخصت ہو گئے، ہندوستان سے باہر کی دنیا میں جلیاں والا باغ کا حادثہ اب ایک قصۂ ماضی ہے۔

۱۹۲۰ء میں جنرل ڈائر کو بھیڑیوں کے آگے پھینک دیا گیا۔ اسے ایک تحقیقاتی کمیٹی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا اقدام تحقیقاتی نقطۂ نظر سے یا واقعاتی نقطۂ نگاہ سے کیسا ہی رہا ہو، بہرحال اس نے سارے ہندوستان کو ایک دہکتا ہوا تنور بنا دیا۔

"سیاسی مصلحت" کا تقاضا یہ تھا کہ جنرل ڈائر کو سزا دی جائے۔"

"برطانیہ کی ٹوری (قدامت پسند) پارٹی نے ڈائر کے "کارناموں کو" سراہا۔"

"ایک انگریز جج نے اسے ہر الزام سے بری قرار دیا۔"

لیکن ہندوستانیوں کے قلب مجروح سے خون رستا رہا۔ وہ اس داغ کو فراموش نہ کر سکے۔

۱۹۴۰ء میں ڈائر کا سیاسی سردار، اور سب سے بڑا پشت پناہ اوڈائر — ایک قاتل کی گولی کا نشانہ بنا۔

ڈائر کا اور اوڈائر کے قتل نے بہت سے سوالات کو تشنۂ جواب رکھا۔

ان تشنہ سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لیے ہمیں امرت سر کی گلیوں اور کوچوں کی خاک چھاننا پڑے گی۔

آئیے آج اتوار کا دن ہے۔ اپریل ۱۹۱۹ء کی ۱۳ ر تاریخ کا آغاز موسم بہار کی ایک تپتی ہوئی سہ پہر۔ . . . "

ہنٹر کمیٹی

آج کا دن تاریخ کے دامن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یادگار بن جانے اور محفوظ رہ جانے کے لیے طلوع ہوا۔

چشمِ تصوّر وا کیجئے اور دیکھیے:

کھلی ہوئی کاریں افسروں کو لادے لیے جا رہی ہیں۔

گھڑسوار پولیس والے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔

پیچھے پیچھے آرمرڈ کاریں رواں دواں ہیں۔

تقریباً سو سپاہی آگے پیچھے مارچ کرتے جا رہے تھے، ان کے پیچھے تُلے قدم مسلح سپاہیوں کی رہنمائی کر رہے تھے۔

سڑکوں پر سورج کی تمازت مدھم پڑتی جا رہی تھی۔

بازار کے آدھے راستے پر یہ خدم و حشم، کمانڈنگ آفیسر کا اشارہ پاتے ہی رُک گیا۔

بازار کے ایک طرف ایک تنگ سی گلی تھی جو چند قدموں کے بعد ایک میدان میں نکلتی تھی۔

یہ اتنی زیادہ تنگ گلی تھی کہ مشین گنوں سے آراستہ آرمرڈ کاریں بھی جو اٹکھیلیاں کرتی آگے بڑھ رہی تھیں، یہاں آکر گویا پھونک پھونک کر قدم رکھنے پر مجبور ہو گئیں۔

گزرنے کا راستہ بنایا تو لیکن بہ صد ہزار مشکل!

گلی کے اندر حکام کے حکم کے مطابق سپاہ مارچ کر رہی تھی اور مجمع کو گھیرے میں لیے ہوئے تھی۔ اوپر طیارے اُڑ رہے تھے، جو سفید فام آقاؤں کی قوت و شوکت کا ثبوت تھے، سپاہیوں

کے داہنے بائیں فوج صف باندھے کھڑی تھی۔ اس نے ایک مورچہ بنا کر سامنے پھیلے ہوئے میدان کے جنوب میں جہاں مجمع اکٹھا تھا پوزیشن لے لی تھی۔ مجمع گوش و ہوش سے تقریر سُن رہا تھا۔ مقرر اسٹیج پر کھڑا داد خطابت دے رہا تھا۔ ۲۵ آدمی دروازے کے ہر دو طرف کیل کانٹے سے لیس کھڑے تھے۔ یہ بندوقیں تانے ہوئے تھے اور حکم کے منتظر تھے، ۴۰ آدمی دھاردار اسلحہ سے مسلح ان کے عقب میں تیار کھڑے تھے۔

یکایک افسر نے حکم دیا۔

"گولی چلاؤ!"

فوج جیسے ہی نمودار ہوئی تھی مجمع میں بے چینی پیدا ہوئی، اور لوگ سرگوشیاں کرنے لگے

"دیکھنا فوج آگئی"۔

جو بیٹھے تھے وہ کھڑے ہو گئے۔

کئی ایسے لوگ تھے جن کے کندھوں پر بچے سوار تھے، انھوں نے بچوں کو نیچے اتار دیا، اور سپاہیوں کی طرف تکنے لگے۔

اسٹیج پر کھڑا ہوا جو مقرر تقریر کر رہا تھا اس نے زورِ خطابت صرف کرتے ہوئے کہا:۔

"خبردار — اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا، ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں، یہ سپاہی بے گناہ لوگوں کو ہدفِ ستم نہیں بنائیں گے، جو جہاں ہے، بس وہیں بیٹھا رہے"۔

ڈائس سے کود کر اور سفید رومال ہلاتے ہوئے سپاہیوں کی طرف میاں عبدالعزیز بڑھے جن کی عمر تیس سال کی تھی۔ میاں صاحب نے صدر دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن رائفل کے کندھوں سے مار مار کر انھیں پھر پیچھے دھکیل دیا گیا۔

جب فائرنگ شروع ہوئی تو ہنس راج نے چلا کر کہا۔

"یہ خالی خولی فائر ہیں، تم لوگ اپنی جگہ پر ڈٹے رہو"۔

لیکن مجمع کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

گولیاں سنسناتی ہوئی سروں کے اوپر سے گذر رہی تھیں۔

حاضرین میں سے ایک شخص پرتاپ سنگھ نے سنا، کوئی افسر اپنے سپاہیوں سے کہہ رہا تھا:۔

"اوپر اوپر فائر کیوں کر رہے ہو؟ بندوقیں نیچی کرو اور گولی چلاؤ۔"

پھر سیٹی بجی۔

سیٹی بجتے ہی گولیاں تڑاتڑ زمین پر برسنے لگیں۔ جس کا جدھر منہ اٹھا، بھاگنے لگا۔ ایک عجیب افراتفری کا عالم تھا۔

ڈائر کا بیان ہے کہ فائرنگ کے سلسلے میں اس نے کسی سے مشورہ نہیں کیا۔ کیونکہ امرت سر میں کوئی ایسا تھا بھی نہیں جس سے مشورہ کیا جا سکتا۔"

وہ کہتا ہے:۔

"مجھے فوری طور پر فیصلہ کرنا تھا کہ اب میرا اقدام کیا ہونا چاہیئے۔"

ڈائر نے یہ الفاظ ہنٹر کمیٹی کے سامنے کہے تھے۔ اس نے مزید کہا:۔

"فوجی نقطۂ نظر سے میرا خیال تھا کہ مجھے فوراً گولی چلا دینی چاہیئے۔ اگر مجھے یہ فائرنگ کرنی تھی تو وہ اتنی ہی ہونی چاہیے تھی کہ حسب دل خواہ نتیجہ برآمد ہو سکتا۔ معمولی سی فائرنگ کے معنی تھے:۔

"ایک مجرمانہ اور احمقانہ اقدام"

منادی کے بعد جلیاں والہ باغ کے مجمع خلاف قانون کو مزید انتباہ کرنا، یا اس سے گفت و شنید کرنا، یا اسے موقع اور مہلت دینا قطعاً بیکار تھا۔

جنرل ڈائر سے ہنٹر کمیٹی کے سامنے جب وہ پیش ہوا سوال کیا گیا:۔

"آپ نے کیا کیا؟"

اس نے جواب دیا:۔

"فائرنگ"

سوال ہوا :۔

"فوراً ؟"

"جی ہاں فوراً۔"

"میں نے تھوڑی دیر شاید آدھا منٹ غور کیا، اور فیصلہ کر لیا کہ میرے فرض کا تقاضا کیا ہے ؟"

ایک عینی شاہد کا یہ بیان ہے جو اپنے مکان کی چھت سے سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ :۔

"مجمع کو منتشر ہونے کی تنبیہ نہیں کی گئی، گورکھا سپاہی رائفل چھپاتے باغ میں داخل ہوئے اور ایک اونچی جگہ پر پوزیشن لی، فائرنگ شروع ہوئی تو بھگدڑ مچ گئی۔

لالہ کرن چند اسسٹنٹ کا بیان ہے :۔

"سپاہی باغ میں داخل ہوئے اور صفیں قائم کیں، اور کسی طرح کا انتباہ کیے بغیر فائرنگ شروع کر دی۔

حکم ملتے ہی سپاہیوں نے نیچے والے حصّے پر بے تامل فائرنگ شروع کر دی، گولیاں زمین پر اولوں کی طرح گر رہی تھیں اور لوگ زخمی اور ہلاک ہو ہو کر گر رہے تھے۔ جس کا جدھر منہ اٹھا بھاگ نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔

بہت سے لوگ بھاگتے میں مجروح یا ہلاک ہو کر خاک و خون میں لتھڑنے لگے۔ نشانے کی زد بھاگتے لوگوں پر تھی۔ خاص طور پر دروازے سے نکل بھاگنے کی کوشش کرنے والوں پر۔

جنرل ڈائر نے اپنے مراسلے میں لکھا تھا :۔

"جب میں نے محسوس کیا کہ میرے احکام کی تعمیل نہیں ہو رہی ہے تو یہ میرا فرض تھا کہ گولی چلا کر مجمع منتشر کر دوں۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں تمام حاضرین کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ اگر وہ ایسا کرنے پر بضد رہے۔"

ڈائر کے یہ الفاظ ہنٹر کمیٹی کے ایک رکن جنرل سر جارج بارو کے دل پر نقش ہو گئے۔ انھوں

نے ۱۹۳۱ء میں "جنرل سر چارلس مونرو" پر جو کتاب لکھی تھی اس میں ان الفاظ کا ذکر کیا ہے

"لارڈ ہنٹر، کمیٹی کے صدر نے جنرل ڈائر سے سوال کیا۔"

"کیا گولی چلانے سے آپ کا مقصد مجمع کو منتشر کرنا تھا؟"

"جی ہاں"

"کیا کوئی اور کوئی مقصد بھی تھا؟"

"نہیں جناب! میں اس وقت تک فائرنگ جاری رکھنا چاہتا تھا جب تک مجمع منتشر نہ ہو جائے۔"

"کیا جوں ہی فائرنگ شروع ہوئی تھی مجمع منتشر ہونا شروع ہو گیا تھا؟"

"جی ہاں۔ فوراً۔"

آپ نے پھر بھی فائرنگ جاری رکھی؟"

"جی ہاں جناب!"

"جب مجمع منتشر ہونے لگا تھا تو آپ نے فائرنگ بند کیوں نہ کر دی؟"

"میں نے سوچا یہ میرا فرض ہے کہ جب تک مجمع بالکل منتشر نہ ہو جائے اس وقت تک فائرنگ جاری رکھنی چاہیئے۔ اگر فائرنگ کم کی گئی تو نتیجہ حسب دل خواہ برآمد نہیں ہوگا، اگر میں کم فائرنگ کرتا تو ایک فعلِ عبث کا ارتکاب کرتا۔"

"فائرنگ کا سلسلہ کتنی دیر تک جاری رہا۔"

"تقریباً دس منٹ تک!"

"دس منٹ تک؟"

"شاید اس سے کچھ کم!"

جنرل ڈائر کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ جس مجمع پر اس نے گولی چلائی وہ مسلح نہیں نہتا تھا۔

"کیا بغیر فائرنگ کے آپ مجمع منتشر نہیں کر سکتے تھے؟"

ڈائر نے جواب دیا۔

"ایسا ممکن تھا۔"

"ہو سکتا تھا کہ وہ پھر جمع ہو جاتا اور میرا مضحکہ اڑاتا۔"

جنرل ڈائر سے ایک اور سوال کیا گیا:۔

"کیا صورت حال بہت زیادہ نازک ہو گئی تھی؟"

جنرل ڈائر نے جواب میں کہا:۔

"بہت نازک جناب۔"

چشم دید گواہوں کے بیانات

ہنٹر کمیٹی کے سامنے چشم دید گواہ بھی پیش ہوئے جنھوں نے یہ خونیں ڈرامہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

ان لوگوں نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، حد درجہ مرعوب، دہشت زدہ سراسیمہ ہونے کے باوجود اسے ممبران کمیٹی کے سامنے بیان کر دیا۔

خود جنرل ڈائر کے اندازے کے مطابق دہشت زدہ اور رُو بہ فرار مجمع کی تعداد ۲ ہزار کے قریب تھی یہ انبوہ عظیم گولیوں کی بارش سے خوف زدہ اور ہراساں جان بچانے کے لیے بھاگا، لیکن نکاسی کے راستے بند تھے۔

ایک چشم دید گواہ گردھاری لال کا بیان ہے کہ گولیاں پندرہ منٹ تک برستی رہیں سیکڑوں آدمی بے بسی کی موت مارے گئے۔ جو لوگ دیواروں پر چڑھ گئے۔ انھیں بھی سپاہیوں نے نیچے مار گرایا۔

بھاگتے ہوئے مجمع پر تابڑ توڑ گولیاں برس رہی تھیں جس جگہ مجمع زیادہ گھنا ہو جاتا تھا وہاں یہ شدت اور بڑھ جاتی تھی۔

جو لوگ گولیوں کی باڑھ سے بچنے کے لیے زمین پر لیٹ گئے تھے، گورکھا سپاہیوں نے گھٹنے زمین پر ٹیک کر انھیں بھی گولیوں کا نشانۂ اجل بنایا۔

میاں محمد شریف نامی ۲۴ سالہ نوجوان ہمت کرکے دیوار پر چڑھ گیا۔ اور کود کر جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔

لالہ رام گوپال لاشوں کو روندتا ہوا بھاگوں بھاگ دیوار پر چڑھا، لیکن بھاگتے میں دھوتی گر گئی گلی میں جب پہنچا تو مادرزاد ننگا تھا۔

سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ فائرنگ ان دروازوں کی طرف زیادہ شدت سے ہو رہی تھی جدھر سے لوگ جان بچا کر نکل سکتے تھے۔

اسماعیل قصاب کا بیان ہے کہ میں جدھر رُخ کرتا لاشیں بکھری ہوئی نظر آتی تھیں۔

ایک شال فروش عبدالواحد کا بیان ہے کہ میں نے ایک پیڑ کے نیچے بارہ آدمیوں کو پناہ گزیں دیکھا، جو ایک دوسرے کے آگے پیچھے کھڑے تھے، سپاہیوں کی نظر ان پر گئی تو انھوں نے ایک ایک کرکے سب کو ڈھیر کر دیا۔

ہنٹر کمیٹی کے ایک ہندوستانی ممبر نے جنرل ڈائر سے پوچھا:۔

"کیا آپ کا مقصد دہشت پیدا کرنا تھا؟"

جنرل ڈائر نے جواب دیا۔

"میرے اقدام کا جو نام چاہے رکھ لیجیے۔ میرا مقصد تو شورش پسندوں کو سبق دینا تھا۔ امرتسر میں بغاوت کے آثار نمایاں ہو چکے تھے، میرا فرض تھا کہ اس شورش کو کچل دوں، ہر وہ آدمی جو باغ سے بچ نکلا، وہ اس حقیقت کا پیامی بن کر نکلا کہ امرتسر میں "لا اینڈ آرڈر" کا راج ہے۔"

برطانوی حکام کی طرف سے زخمیوں کے علاج کا، اور لاشوں کو ٹھکانے لگانے کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔

"ہنٹر کمیٹی میں جب جنرل ڈائر سے سوال کیا گیا کہ اس سلسلے میں اس نے کیا کیا؟ تو وہ گویا ہوا:"

"مَیں نے کچھ نہیں کیا، یہ میری ذمے داری نہیں تھی۔"

تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے میاں سکندر علی نے بیان دیتے ہوئے کہا:-

"حادثے کی خبر ملتے ہی مَیں اپنے چھوٹے لڑکے کو تلاش کرتا باغ میں پہنچا، یہ سوا سات بجے شام کا وقت تھا، بڑی مشکل سے لاشوں کے ڈھیر میں مجھے اپنا جان ہار بچہ ہمیشگی کی نیند سویا ہوا ملا۔ میرے لڑکے کی لاش کے پاس میرا چچا زاد بھائی اسمٰعیل بھی مردہ پڑا تھا، اور زخموں سے چور، اسماعیل کا ایک اور عزیز بھی اس کی تلاش میں آ پہنچا تھا۔ ہم دونوں نے مل کر بڑی مشکل سے یہ دونوں لاشیں اٹھائیں، اور باہر نکلے، ان لاشوں میں جوان، بوڑھے بچے سب شامل تھے۔ زخمیوں اور مُردوں کی تعداد، دو ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی۔"

اب ہم پھر پیچھے کی طرف لوٹتے ہیں۔

حالات کا جائزہ

اپنے اس اقدام کے بارے میں جنرل ڈائر کا خیال تھا کہ اس نے پنجاب کو ایک خونیں بغاوت سے اور سارے ہندوستان کو خطرے سے بچا لیا۔

جنرل ڈائر کے حامیوں کا خیال ہے کہ اس نے چند آدمیوں کی جان لے کر بہت سی جانوں کو بچا لیا تھا۔

دوسرا گروہ اس کے برعکس سوچتا ہے۔

لیکن دونوں اس پر متفق ہیں کہ سارے ملک میں ہنگامہ آرائیاں دفعتہً شروع ہوئیں کیونکہ دہلی میں یہ چنگاری ۳۰ مارچ سے سلگنا شروع ہو گئی تھی۔

ہندوستان نے بڑی شرافت کے ساتھ جرمنی کے خلاف مساعی جنگ میں انگریزوں کا جان و مال سے ساتھ دیا تھا۔ یہاں کے لوگوں نے غذائی قلت کی تکلیفیں برداشت کیں، بڑھتی ہوئی

اشیاء کی قیمتوں کو گوارا کیا۔ محاصل کا اضافہ منظور کیا۔ پریس پر جو پابندیاں عائد کی گئیں اور شخصی آزادی جس طرح مجروح کی گئی اس کے خلاف حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے۔

لیکن جنگ کے کامیاب اختتام کے بعد انھوں نے دوسروں کو آزاد ہوتے اور خود کو بدستور بندِ غلامی میں جکڑا ہوا پایا، حالانکہ وہ صبحِ نو کے منتظر تھے۔ ان سے اصلاحات سیاسی کا وعدہ کیا جا چکا تھا اور چند مرحلوں کے بعد "ہوم رول دینے کا سرکاری طور پر وعدہ کر لیا گیا تھا۔

بجا طور پر اس ملک کے باشندے یقین کیے بیٹھے تھے کہ جنگ کو کامیاب طور پر اختتام تک پہنچانے میں انھوں نے روپیہ بھی دیا، اور آدمی بھی۔ اب وقت ہے کہ ان قربانیوں کا صلہ ملے لیکن وہ صلہ ناقص سیاسی اصلاحات، تشدد آمیز قوانین اور رولٹ ایکٹ کی صورت میں ملا جس کی رُو سے پولیس اور انتظامیہ کو غیر معمولی اختیارات حاصل تھے۔ نہ اپیل کی اجازت ملزم کو حاصل تھی، نہ وکیل کی، حد یہ ہے کہ ملزم کے ہاتھ میں فردِ قرارداد جرم کا دیا جانا بھی ضروری نہیں تھا۔ اور مزید ستم ظریفی یہ کہ اس ایکٹ کے ماتحت جس شخص کے خلاف کارروائی کی جا رہی ہو حکام قانونِ شہادت کے کسی پہلو پر عمل کرنے کے پابند نہیں تھے۔

رولٹ بل ۲۳ مارچ کو ایکٹ (قانون) بن گیا۔ یہی قانون تھا جو مسٹر گاندھی کی تحریک مقاومت مجہول یا عدم تشدد Passive Resistance Movement کو عالمِ وجود میں لایا جسے وہ ستیاگرہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ انھوں نے ۱۶ اپریل کے لیے عام ہڑتال اور اسٹرائیک کا اعلان شائع کیا، لیکن کسی غلط فہمی کے باعث اکثر مقامات پر یہ دن ۳۰ مارچ کو منایا گیا۔

دہلی میں فساد، ریلوے اسٹیشن سے شروع ہوا، کیونکہ وہاں ریفرشمنٹ روم میں کھانا کھلایا جا رہا تھا۔ مجمع تشدد پر اتر آیا تو پولیس نے فائرنگ کی جس سے دو آدمی مجروح ہوئے۔ پھر سارے شہر میں ہلڑ مچ گیا۔ دوبارہ فائرنگ ہوئی جس سے کئی آدمی ہلاک اور بہت سے مجروح ہوئے۔ ہنٹر کمیٹی نے اس فائرنگ کو حق بجانب قرار دیا۔

دہلی کے ہنگامے کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ لوگوں کو سواریوں سے اتار دیا گیا جو یورپین اپنی کاروں

میں گزر رہے تھے ان کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا۔ خود جنرل ڈائر بھی اس یلغار سے نہ بچ سکے۔ وہ چند روز کی چھٹی پر دہلی آئے ہوئے تھے اور کار میں کچھ خواتین کے ساتھ سیر کو نکلے، مجمع دیکھ کر وہ سمجھے کوئی میلہ ہے، چنانچہ خواتین سے انھوں نے یہی کہا، لیکن جب فسادیوں نے ہلّہ بولا تو انھوں نے شوفر کو ہدایت کی کہ تیزی سے نکل چلے چھٹی منا کر دوسرے دن جب وہ اپنے مستقر جالندھر واپس آئے تو کئی مقامات پر انکی کار کو مخالفین کا سامنا کرنا پڑا، ایک جگہ تو کار کے پہیئے میں میخ ٹھونک دی گئی تاکہ وہ آگے نہ بڑھ سکے۔

دوسرے شہروں میں ہڑتال ۶ اپریل کو کی گئی لیکن کوئی حادثہ رونما نہیں ہوا۔ البتہ پنجاب کے دارالحکومت لاہور کی حالت دگرگوں تھی۔

سر مائیکل اوڈائر سات سال تک پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر رہنے کے بعد چند ہفتوں کے اندر پنشن پر جانے والے تھے۔ دہلی کے حوادث سے متاثر ہو کر انھوں نے پبلک اجتماعات پر پابندی لگا دی، اور ستیہ گرہ کے عہد نامے پر جن لوگوں نے دستخط کئے تھے انھیں سختی سے متنبہ کر دیا، کیونکہ لاہور اور امرت سر میں بڑے بڑے پوسٹر "مارو اور مر جاؤ" کے دیواروں پر چسپاں کیئے گئے تھے جس سے ہوا کے رُخ کا اندازہ ہوتا تھا کہ ۶ اپریل کو کیا ہونے والا ہے۔

مسٹر گاندھی ۱۰ اپریل کو دہلی اور پنجاب کے دورے پر روانہ ہوئے۔ لیکن حکومت ہند نے دہلی میں اور حکومت پنجاب نے اپنے صوبے میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ گاندھی کو پلول اسٹیشن پر اس حکم سے مطلع کیا گیا۔ انھوں نے احتجاج کیا لیکن احمد آباد واپس جانے پر راضی ہو گئے۔

یہ خبر آگ کی طرح سارے ملک میں پھیل گئی۔ دوسرے شہروں میں تو گویا آگ لگ گئی۔

امرت سر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ گاندھی کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس افواہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا، سارے شہر میں ہلڑ اور دنگا شروع ہو گیا۔ مجمع حد سے زیادہ مشتعل تھا۔ کئی انگریز زخمی ہوئے ایک مارا گیا۔ سرکاری عمارتوں کو آگ لگا دی گئی۔ پولیس پر پتھراؤ کیا گیا، اور سوراج کا اعلان کر دیا گیا۔ فائرنگ کے بعد مجمع منتشر ہوا۔ ۱۲ اپریل کو گاندھی آ گئے۔ انھوں نے عدم تشدد اور امن

کی اپیل کی جو کارگر ہوئی۔

لاہور میں حالات اتنے نازک ہو گئے کہ دو روز تک گویا فسادیوں کی عملداری رہی۔

۱۱ر اپریل کو ۲۵ ہزار ہندوؤں اور مسلمانوں کا مجمع جو انگریزوں سے تنفر میں بالکل متفق تھا۔ بادشاہی بازار کی طرف سیاہ جھنڈے لیے اور اشتعال انگیز نعرے لگاتا ہوا بڑھا۔ یہ لوگ جارج پنجم مُردہ باد کے نعرے لگا رہے تھے اور علی الاعلان کہہ رہے تھے۔ ہمارا بادشاہ امیر افغانستان اور شہنشاہ جرمنی ہے۔ شہر کی ہر بڑی سڑک ہندو مسلم شورش پسندوں سے پٹی ہوئی تھی۔

گورنر نے اپنی قیام گاہ پر سیاسی لیڈروں کی ایک کانفرنس بلائی، تیس چالیس آدمی شریک ہُوئے، بعض کی رائے تھی کہ عوام کے لیڈروں سے صلح صفائی کی بات کی جائے لیکن سر مائیکل اوڈائر اس کے لیے تیار نہیں ہُوئے۔ انھوں نے کہا:۔

"ہم باغیوں سے بات نہیں کر سکتے، ان سے ہم اچھی طرح نمٹ سکنے کی قوت رکھتے ہیں۔"

۱۲ر اپریل کو شاہی مسجد کے باہر ایک جلسہ ہوا۔

یہاں سادہ لباس میں کچھ پولیس والے تھے ان کی خوب پٹائی ہوئی، آٹھ سو پولیس کے سپاہی مسلح کھڑے تھے، ان پر پتھراؤ ہوا، انتباہ کے باوجود مجمع نے منتشر ہونے سے انکار کر دیا۔ آخر گولی چلائی گئی جس کا نتیجہ ہلاکت اور جراحت کی صورت میں رونما ہوا۔ شہر کے دوسرے مقامات پر بھی یہی صورت پیش آئی۔

قصور میں بھی بہت نازک صورت پیش آئی، زبردست ہڑتال کی گئی۔ مظاہرے ہوئے جلوس نکالے گئے۔ فیروز پور سے ایک ٹرین آ رہی تھی جس میں یورپین بھی تھے۔ ٹرین روک لی گئی اور ان کی جان کے لالے پڑ گئے۔ بڑی مشکل سے انھیں بچایا جا سکا۔

انگریز عورتوں اور بچوں کی جان لینے کی کوشش بھی کی گئی لیکن ایک ریلوے انسپکٹر خان دین نے ان کی جان بچائی، ٹرین جب پلیٹ فارم پر پہنچی تو دو انگریز وارنٹ آفیسر ہلاک کر دیئے گئے اسٹیشن کو آگ لگا دی گئی، عدالت کی عمارت پر حملہ کیا گیا۔ یہاں بھی فائرنگ ہوئی جس میں چار

فسادی ہلاک اور ۵۷ زخمی ہوئے، اس فائرنگ کو ہنٹر کمیٹی نے حق بجانب قرار دیا۔

پنجاب کے ۲۹ شہروں میں سے ۱۹ میں بقول سر اوڈائر توڑ پھوڑ پوری شدت سے ہوئی۔ بلکہ لاہور سے خفیہ پیغام دہلی کے ریلوے ورکرز کو بھیجا گیا کہ وہ ہڑتال کر دیں تاکہ فوج کی آمد و رفت ناممکن ہو جائے۔

امرت سر کے خطرناک حالات کے پیش نظر جنرل ڈائر کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنا لاؤ لشکر لے کر فوراً وہاں پہنچ جائیں۔

ڈاکٹر کچلو کی گرفتاری

حالات میں تیزی کے ساتھ تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔

امن کی جگہ اضطراب نے لے لی تھی۔

ہر طرف ایک نامعلوم سی، ایک غیر محسوس سی، ایک انجانی سی سراسیمگی، بے چینی اور تشویش و اضطراب کے آثار نمایاں طور پر نظر آ رہے تھے۔

امرت سر میں ۳۰ مارچ خیریت سے گزر گئی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال پر عوامی اجتماعات میں تقریر نہ کرنے کا حکم امتناعی نافذ کر دیا گیا۔

۵ اپریل کو ایک خفیہ جلسہ ہوا جس میں یہ دونوں بھی شریک ہوئے۔ ۶ اپریل کو امرت سر میں مکمل ہڑتال ہوئی۔ بظاہر پرسکون لیکن طوفان کی آمد آمد ہر وقت متوقع تھی۔

ڈپٹی کمشنر سر مائلس ایونگ نے ہنٹر کمیٹی کے سامنے جو تحریری بیان پیش کیا۔ اس میں انھوں نے لکھا کہ اس تحریک کے پس پشت جو لوگ کام کر رہے تھے وہ اگرچہ تشدد کے مخالف تھے لیکن حالات اتنے ابتر تھے کہ خود ان کے قابو سے باہر ہو چکے تھے۔ انھوں نے حکومت پنجاب کو جو مراسلہ بھیجا اس میں تحریر کیا تھا کہ کسی وقت بھی قیامت خیز شورش رونما ہو سکتی ہے۔ فوجی امداد فوری طور پر ملنی چاہیئے تاکہ سول لائن کو بچایا جا سکے۔

"یہ میری غلطی تھی کہ میں نے یہ سمجھ رکھا تھا، میں ڈاکٹر کچلو کو راہ راست پر لا سکوں گا

بہرحال ہمیں اپنی ہی قوتِ بازو پر بھروسہ کرنا پڑے گا۔"

۹ راپریل کو رام نومی کا تہوار تھا، اس میں مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش سے حصّہ لیا جو برطانیہ کی مسلمہ پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کا نہایت مجرمانہ جواب تھا۔ مسٹر اروِنگ کا بیان ہے کہ مسلمانوں نے سبیل لگا لگا کر ہندوؤں کے لیے پانی مہیا کیا اور ہندوؤں نے مسلمانوں کے ہاتھ سے پانی لے کر پیا، ہنٹر کمیٹی کی رائے میں ہندو مسلم اتحاد کا یہ نہایت مثالی مظاہرہ تھا۔

جلوس نے جب شہر کی گلیوں اور سڑکوں کا گشت کیا تو مذہبی نعروں کے بجائے سیاسی نعرے لگائے جا رہے تھے۔ لیکن ابھی تک بدامنی کے آثار نہیں تھے، بلکہ بغیر کسی مداخلت کے "بادشاہ کو خدا سلامت رکھے" کا بینڈ بھی بجتا رہا، البتہ مسلمان طلبہ ترکوں کی حمایت میں جو انگریزوں کے سخت دشمن تھے نعرے لگا رہے تھے۔ لالہ جیون لال سی آئی ڈی انسپکٹر جو مجمع میں ایک تماشائی کی طرح شریک تھا۔ بیان کرتا ہے کہ اس نے حکومت کے خلاف اشتعال انگیز نعرے سنے۔

مسٹر اروِنگ جلوس کے ساتھ گشت کرنے کے بعد جب اپنے بنگلے پہنچے تو صوبائی حکومت کی طرف سے انھیں حکم ملا کہ ڈاکٹر ستیہ پال اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو شہر بدر کر کے دھرم سالہ بھیج دیا جائے۔ نیز یہ کہ لفٹننٹ گورنر پنجاب مسٹر اروِنگ سے متفق ہیں، ضروری فوجی امداد کی فوری کارروائی کی جا رہی ہے۔

اگرچہ ان دونوں لیڈروں کی گرفتاری سے کوئی بلوہ کا اندیشہ نہیں تھا لیکن مسٹر اروِنگ نے اس سلسلے میں احتیاطی تدابیر ضروری سمجھیں کہ کوئی مظاہرہ نہ ہونے پائے اور عوام انھیں پولیس کی حراست سے نکال نہ لے جائیں۔ چنانچہ طے یہ ہوا کہ ڈاکٹر ستیہ پال اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو ڈپٹی کمشنر کے بنگلے پر بلایا جائے اور وہیں سے گرفتار کر کے زبردست فوجی پہرے کے ساتھ روانہ کر دیا جائے۔ ڈپٹی کمشنر کے بنگلے، پلوں، سرکاری عمارتوں وغیرہ پر پکٹ کا انتظام کر دیا جائے۔ باقی فوج رام باغ میں ہنگامی ضرورت کے لیے موجود رہے۔ اگر بدامنی واقع ہوئی تو انگریز مردوں اور عورتوں کے انخلاء کا بندوبست بھی کر لیا گیا۔

ڈپٹی کمشنر کی طلبی پر ستیہ پال اور کچلو اس کے ہاں پہنچ گئے۔ فوراً ان پر ڈیفنس آف انڈیا رول کے ماتحت ایک حکم نامے پر دستخط کر دیئے گئے کہ اسی وقت امرت سر چھوڑ دیں۔ دونوں کو الگ الگ کار میں بٹھایا گیا۔ کار ہوا سے باتیں لگی پیچھے پیچھے فوجی دستے تھے جو شاہ پور تک ساتھ گئے جو دوست کچلو اور ستیہ پال کے ساتھ ڈپٹی کمشنر کے بنگلے پر آئے تھے انھیں آدھ گھنٹے تک روکے رکھا گیا۔ پھر جانے کی اجازت دے دی۔ یہ خبر آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔

۱۱ بجے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر پلومر کو بذریعہ فون کوتوالی سے اطلاع دی گئی کہ ایجپین پارک میں ایک خلقت دونوں لیڈروں کی رہائی کا مطالبہ کرنے کے لیے جمع ہو رہی ہے۔ مسٹر پلومر موقع واردات پر روانہ ہو گئے۔ انھوں نے کیپٹن ہیسی کو مطلع کیا کہ جوش سے دیوانہ مجمع ڈپٹی کمشنر کے بنگلے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ موصوف فوراً ہال گیٹ برج پر پہنچے جہاں سے انھوں نے دیکھا کہ ایک انبوہ کثیر دیوانہ وار بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اور جو قطعاً قابو سے باہر ہو چکا ہے، اور اس کی تعداد میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

مسٹر بلیٹ اسسٹنٹ کمشنر نے مجمع کو واپس جانے کی ترغیب دی لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا تھا۔

لالہ گیان چند نے کانگرس کی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ جب مسٹر پلومر نے مجمع سے منتشر ہو جانے کی اپیل کی تو مجمع ننگے سر اور نہتا تھا۔ لوگ زمین پر بیٹھ گئے۔ اور سینہ کوبی کرنے لگے۔ فوج اور پولیس کے سپاہی ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس گھوڑوں پر سوار روکے ہوئے تھے۔ مجمع کے کچھ لوگوں نے پاس پڑے اینٹوں کے ایک ڈھیر سے اینٹیں اٹھائیں۔ اور گھوڑ سواروں کے مارنا شروع کیں۔ ایک سوار نے گولی چلا دی جس سے دو آدمی زخمی ہوئے جنہیں فرید بازار کے ڈاکٹر بشیر کے مطب میں مرہم پٹی کے لیے پہنچا دیا گیا۔

مسٹر کونز اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے لفٹیننٹ ڈکی اور ان کے آدمیوں کو گرفتار بلا دیکھ کر

فائرنگ کا حکم دیا۔ مسٹر کونر (MR. CONNOR) کا بیان ہے کہ مشتعل مجمع قتل و غارت پر کمربستہ تھا۔ اور کچلو اور ستیہ پال کی رہائی کا مطالبہ کر رہا تھا، ایک آدمی آگے بڑھا، اس نے اپنا سینہ پیٹتے ہوئے کہا، ہمارے لیڈروں کو رہا کر دو، ورنہ ہم مرنے مارنے پر تیار بیٹھے ہیں، ایک شخص نے مسٹر کونر کو کہا:۔

" حکومت کا وعدہ حکومت خود اختیاری دینے کا تھا لیکن وہ دے رہی ہے گولیاں۔

لیکن فائرنگ مسٹر کونر کے بیان کے مطابق نتیجہ خیز رہی۔ مگر پھر اشتعال بڑھا، لوگ اپنے لیڈروں کی گرفتاری اور فائرنگ کے نتیجہ میں مجروحین و ہلاک شدگان کی کیفیت دیکھ کر ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے، مسٹر جیکر (کانگریس سب کمیٹی) کا تاثر یہی ہے۔ اب مجمع ریلوے سٹیشن اور شہر کی طرف بڑھا، گورا فوج کے سپاہی جو پل پر متعین تھے۔ یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ مختلف مقاماتِ شہر آگ کی لپیٹ میں آ چکے ہیں۔ دھواں اٹھ رہا ہے۔ شعلے بھڑک رہے ہیں۔

کرنل ہنری اسمتھ (سول سرجن) موتیا کا ایک اپریشن جبلی ہسپتال میں کر رہے تھے کہ ان کا اسسٹنٹ آیا اور اس نے حالات کی اطلاع دی۔ ایک منٹ میں آپریشن سے فارغ ہو کر انھوں نے فون اٹھایا۔ مین لائن کٹی ہوئی تھی۔ وہ موٹر ایمبولینس میں بیٹھ کر مشن ہسپتال پہنچے اور وہاں سے انگریز اور ہندوستانی عیسائی عورتوں کو لے کر کینال بنگلے میں پہنچا آئے، راستے میں ایک مشن سکول نظر پڑا جس سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔

دو انگریز عورتیں شہر میں رہ گئی تھیں۔ اور خوش قسمتی سے زندہ بچ گئیں لیکن ان میں سے ایک خطرناک طور پہ زخمی ہوئی۔

بہت سے انگریز پیٹے گئے، کئی مار ڈالے گئے۔

لائسنس بنک پر حملہ کیا گیا، اس کے مینجر مسٹر تھامسن نے پستول سے اپنی مدافعت کی، وہ بالکنی سے سڑک پر کود گئے، جہاں لوگوں نے انھیں پکڑ لیا اور بنک کے فرنیچر پر مٹی کا تیل چھڑکا، اور انھیں اس میں ڈال کر آگ لگا دی۔ بنک کی عمارت اس لیے نہیں جلائی گئی کہ ہنٹر کمیٹی کے مطابق وہ ایک ہندوستانی

کی ملکیت تھی۔

یہی حشر چارٹرڈ بینک کا ہوا۔

یہ تینوں بنک کوتوالی سے تھوڑی دُور واقع تھے۔ پولیس صرف تماشائی بنی رہی۔

خاں صاحب احمد جان ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جو تیس سال کے ملازم سرکار تھے۔ اور محمد اشرف خاں سٹی انسپکٹر جن کی مدّت ملازمت ۲۵ سال تھی، اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں بلکہ اپنی آنکھوں دیکھتے انہوں نے مجمع کو ٹاؤن ہال بھی خاک کا ڈھیر کر لینے دیا جو کوتوالی سے ملا ہوا تھا۔ ہنٹر کمیٹی نے ان دونوں پولیس افسروں کے رویہ پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔

مجمع کوتوالی کے پاس سے ہندو مسلم اتحاد زندہ باد اور ستیہ پال اور کچلو کو رہا کردو کے نعرے لگاتا ہوا گذرا۔ پولیس نے اسے روکنے کی ذرا کوشش نہ کی۔

تیس ہزار کا مجمع خلافِ قانون جب ریلوے کراسنگ کے بیان کے مطابق تشدد پر ہر طرح سے اترا ہوا تھا۔ ایک گروہ شہر کی طرف مڑ گیا۔

ایک ٹولی نے ریلوے گڈس یارڈ کا رُخ کیا۔ دوسرا جتھہ تار گھر کی جانب بڑھا۔ اگرچہ فوج کی جمعیت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ لیکن مجمع نے تار گھر کو تہ و بالا کر ڈالا اور مسٹر رابنس کو قتل کر دیا۔ جو صرف ایک چھتری سے مسلح تھے۔

لالہ جیون لال سی آئی ڈی انسپکٹر کا کہنا ہے کہ مجمع کے لوگ چیخ رہے تھے۔ انگریزوں نے ہمارے آدمیوں کو مارا ہے ہم انھیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ تار اور ٹیلیفون کے تمام تار کاٹ ڈالے گئے تھے۔ کئی ٹرینیں پٹڑی سے اتار دی گئیں۔ اور ریلوے کے متعدد گودام لوٹ لیے گئے۔

اسی اثنا میں ایک بہت بڑا مجمع پل کی طرف بڑھا، مسٹر اردنگ اور مسٹر پلومر فوجیوں کو لے کر فوراً وہاں پہنچے اور مجمع سے منتشر ہونے کو کہا۔ شہر کے دو وکیل میر مقبول محمود اور گردیال سنگھ سلاریا کے بیان کے مطابق بغیر کسی وارننگ کے مجمع پر فائرنگ شروع کر دی گئی، حالانکہ یہ لوگ اپنے مقتولین و مجروحین کا مطالبہ کر رہے تھے کہ انھیں لے کر جائیں گے، وہ اور میر مقبول محمود محض

ایک معجزہ تھا کہ بچ گئے۔ میر مقبول محمود کا بیان ہے فائرنگ سے مجمع تتر بتر ہو گیا، لیکن بھاگتے ہوئے لوگوں پر بھی فائرنگ کا سلسلہ جاری رکھا گیا۔ چنانچہ بہت سے مقتولین کی پیٹھ میں گولیاں لگی تھیں۔

"مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ یہ فائرنگ قطعاً ناواجب غیر ضروری اور سفاکانہ تھی۔ اگر گولیاں پاؤں پر چلائی جاتیں تو بھی مجمع بڑی آسانی سے منتشر ہو جاتا!"

لیکن ہنٹر کمیٹی اس فائرنگ کو بھی جائز قرار دیتی ہے۔

میر مقبول محمود کا بیان ہے:۔

"یہ ایک معجزہ تھا کہ ہماری جان سلامت رہ گئی۔ میں اب بھی اس رائے پر قائم ہوں کہ اگر حکام نے ذرا تحمل سے کام لیا ہوتا تو ہم مجمع کو پُرامن طور پر واپس کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔

سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ حکام نے فائرنگ کا فیصلہ کرنے سے پہلے ایمبولینس کار یا فسٹ ایڈ کا کوئی بندوبست نہیں کیا، کئی مجروح مرنے سے بچ جاتے اگر بروقت انھیں طبی امداد مل گئی ہوتی۔

کئی لبِ مرگ زخمیوں کے منہ میں پانی ڈالتے ہوئے بڑے جگر فگار اور دل دوز واقعات میری نظر سے گزرے!"

تماشہ

قیامت کی گھڑی قریب آ رہی تھی!

قریب تر آتی جا رہی تھی!

وہ گھڑی جسے خون آشام ڈائر نے "ایک بہت بڑا تماشہ" قرار دیا تھا۔

یہ تماشہ شروع ہو رہا تھا!

انسانی خون کی ارزانی کا تماشہ!

۱۰ اپریل کو جالندھر میں جنرل ڈائر کو ۴ بجے سہ پہر کے وقت خفیہ پیغام ملا کہ مسلح فوجی دستے اسلحہ اور طیارے فوراً امرت سر بھیجے جائیں

سوا پانچ بجے مزید اطلاع جنرل ڈائر کو بذریعہ خفیہ ٹیلیگرام بھیجی گئی کہ کشت وخون، بلوہ، آتش زنی، لوٹ مار اور قتل کا بازار امرتسر میں گرم ہے اور انگریز ہدفِ ستم بنائے جا رہے ہیں۔ چنانچہ جنرل ڈائر نے مطلوبہ امداد سے زیادہ فوجی مدد جالندھر سے امرتسر بھیج دی۔

لیکن کچھ ہی دیر بعد جنرل ڈائر کو بذاتِ خود امرتسر جانے کا حکم دیا گیا اور تاکید کی گئی کہ بجائے امن کے سلسلے میں جو کچھ مناسب سمجھیں کریں۔

"ایک بہت بڑا تماشہ بس شروع ہونے والا ہے"! جنرل ڈائر نے اپنے بیٹے کیپٹن آلون ڈائر سے کہا۔ پھر جاتے وقت تاکید کی "اپنی ماں اور گھر والوں کا خیال رکھنا!"

۱۱ اپریل امرتسر میں خیریت سے گذر گئی۔ صبح صبح ڈپٹی کمشنر کو اطلاع ملی کہ ایک بڑا مجمع مقتولین کی لاشوں کی تجہیز و تکفین شروع کرنے کے لیے بڑھتا جا رہا ہے۔

ڈپٹی کمشنر نے میر مقبول محمود اور مسٹر یاسین سے استدعا کی کہ وہ اس اجتماع کو باخبر کر دیں کہ ایک لاش کے ساتھ چار آدمیوں سے زیادہ نہیں جا سکتے۔ کانگریس کی تحقیقاتی سب کمیٹی کے سامنے میر مقبول محمود نے کہا:۔

"ہم نے ڈپٹی کمشنر کے حسبِ ہدایت مجمع کو اس کا پیام پہنچا دیا لیکن لوگوں کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا یہ ایک مذہبی معاملہ ہے۔ ہم مجمع کے چند نمائندوں کو لے کر ڈپٹی کمشنر کے پاس واپس آئے اور ساری صورتِ حال واضح کر دی۔ صاحب بہادر بہت غصّے میں تھے اور وفورِ غضب سے ان کا سارا بدن کانپ رہا تھا"

انھوں نے چیخ کر کہا:۔

"زیادہ گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں، ہمارے لوگوں کی لاشیں جل کر کوئلہ ہو گئی ہیں"

ہم نے انگریز مقتولین کے لیے اظہارِ افسوس کیا، اب تو وہ اور چراغ پا ہو گئے اور دھاڑ کر کہنے لگے۔

"اب تمہیں افسوس ہے، حالانکہ تمہیں اس وقت متاسف ہونا چاہیے تھا

جب تم اپنے احمقانہ اجتماعات میں شریک ہو رہے تھے اور وقت آنے والا ہے جب تم واقعی متاسف نظر آؤ گے!"

ہم نے نرم لہجہ میں جواب دیا:۔

"ہم نے کسی احمقانہ اجتماع میں شرکت کی، نہ اس سے خطاب کیا۔" اور واپس چلے آئے۔ کرنل اسمتھ اس موقع پر موجود تھے۔ انھوں نے رائے دی کہ "مجمع منتشر کرنے کی بہترین تدبیر بمباری ہے۔"

ڈاکٹر محمد عبداللہ فوق نے اپنے بیان میں کہا:۔

"سہ پہر کو قبرستان اور شمشان بھومی میں لاشیں ٹھکانے لگا دی گئیں۔ لوگ بہت برہم تھے کہ قومی شہیدوں کے آخری رسومات ادا کرنے میں بھی وہ آزاد نہیں ہیں!"

کمشنر کیچن (KITCHIN) امرت سر آ گئے تھے۔ اب انھیں اطلاعات ملنے لگیں کہ امرتسر اور لاہور کے مابین اٹاری پر ریلوے لائن کاٹ دی گئی ہے۔ مال گاڑیاں پٹڑی سے اتار دی گئی ہیں۔ گورداسپور اور دھاری وال میں ٹیلیگراف لائن منقطع کر دی گئی ہے۔ دیہاتیوں کا بپھرا ہوا مجمع شہر کی طرف لوٹ مار کے لیے بڑھ رہا ہے۔

کمشنر نے ہنٹر کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا:۔

"ہمارا پیمانۂ صبر ان حالات نے چھلکا دیا تھا۔"

حکومت کی طرف سے فوج ناکے ناکے پر متعین کر دی گئی۔ اور اسے یہ ہدایت کی گئی کہ اگر چار آدمیوں سے زیادہ کہیں مجتمع نظر آئیں تو فوراً گولی سے مار دیا جائے۔

شام کو ڈاکٹر بشیر کے مکان پر ایک بڑا اجتماع ہزاروں آدمیوں کا ہوا، ڈاکٹر فوق کا بیان ہے شہر سے باہر انگریزوں کی حکومت تھی اور شہر کے اندر ہندو مسلم راج تھا۔

جنرل ڈائر جب امرت سر پہنچے تو مسٹر اروِنگ نے صاف صاف کہہ دیا، حالات ہمارے قابو سے باہر ہو چکے ہیں۔ اب سنبھالیے۔ انہوں نے نظم و امن کا چارج لے لیا۔ ان کے پاس

۴۷۵ انگریز سپاہی اور ۷۱۰ ہندوستانی سپاہی تھے اور ڈیڑھ لاکھ کی آبادی رکھنے والا شہر آمادۂ بغاوت تھا۔

ساڑھے بارہ بجے رات کو جنرل ڈائر چند سپاہیوں کے ساتھ کوتوالی پہنچے، اس وقت کوئی مجمع نہیں تھا، لیکن عمارتوں میں جو آگ لگائی گئی تھی وہ اب تک سلگ رہی تھی۔

دوسرے دن صبح کو جنرل ڈائر نے اعلان کیا کہ جو شخص کسی عمارت کو نقصان پہنچائے گا یا قانون شکنی کرے گا، یا جلوس اور جلسوں میں حصّہ لے گا، اس کے خلاف فوجی قواعد کے ماتحت کارروائی کی جائے گی۔

جنرل ڈائر کو مختلف مقامات سے برابر اطلاعات مل رہی تھیں۔ انھیں مطلع کیا گیا کہ قصور کا اسٹیشن جلا کر خاک کا ڈھیر بنا دیا گیا، اور دو انگریز مار ڈالے گئے۔ نواحی مقامات سے لوگ سیلاب کی طرح امرت سر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

عین اس وقت جنرل ڈائر کی طرف سے منادی کرائی جا رہی تھی کہ جلوس یا جلسہ ممنوع ہے اور اگر اس حکم کی خلاف ورزی کی گئی تو بزور قوت جواب دیا جائے گا۔ چند لوگ مٹی کے تیل کا خالی پیپا بجا بجا کر جلیاں والا باغ میں ۱۲ بجے دوپہر کے جلسۂ عام کا اعلان کر رہے تھے۔ اور بعض کہہ رہے تھے، ہمیں گولی کھا کر مرنا منظور ہے لیکن جلسے میں ضرور شریک ہوں گے۔

۴ بجے سہ پہر کو جنرل ڈائر کو اطلاع ملی کہ جلسہ ہو رہا ہے۔

یہ اطلاع مسٹر لیوس (LEWIS) کراؤن سینما کے مینجر نے دی تھی۔

فوراً ہی جنرل ڈائر جلیاں والا باغ کی طرف اپنے سپاہیوں کو لے کر روانہ ہو گئے۔ جو قلب شہر میں واقع تھا، اور رام باغ سے جہاں فوج مقیم تھی صرف ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھا۔

جنرل ڈائر کا سوانح نگار لکھتا ہے۔

"اب وہ صرف دفاع کے قائل نہیں رہے تھے۔ حملے اور ہجوم کا فیصلہ انھوں نے

کرلیا تھا، وہ ایک کاری ضرب لگانے کا تہیہ کر چکے تھے۔ کیونکہ بغاوت کے آثار زیادہ سے زیادہ نمایاں ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اب تک جنرل کے لیے سب سے بڑا دردِ سر یہ تھا کہ شورش پسندوں سے کیونکر عہدہ برآ ہوں، شہر کی تنگ گلیوں یا سڑکوں پر اگر سپاہی پل پڑیں تو بے گناہ زیادہ تعداد میں ہدفِ ستم بنتے لیکن جلیاں والا باغ کے جلسے نے وہ موقع فراہم کر دیا جس کے وہ منتظر تھے۔ اس جلسے میں کوئی بے گناہ نہ تھا سب شورش پسند ہی تھے، اب بلوائی خود وہیں آکر جمع ہو گئے تھے جہاں انھیں فیصلے کے لیے جمع ہونا چاہیئے تھا، اب یہ جنرل کی تلوار کی زد پر تھے۔ ایک فوجی کار پر جنرل ڈائر اور کیپٹن برگس (BRIGGS) بیٹھے، دوسری پر مسٹر رہیل اور مسٹر بلومر سپاہی ان کاروں کے آگے پیچھے چل رہے تھے۔"

سی آئی ڈی انسپکٹر مسٹر لال اس لیے بچ گئے کہ وہ جلسے میں سادہ لباس پہن کر شریک ہوئے تھے، ان کا بیان ہے کہ جلسے میں برابر نعرے لگ رہے تھے "ہم فوجی احکام کی پرواہ نہیں کرتے۔"

اس مجمع کا ایک شریک پرتاپ سنگھ بھی تھا جس نے کانگریس سب کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا:-

"جلوس اور جلسے کی ممانعت کے کسی حکم کی عام منادی نہیں کرائی گئی۔ میں چار بجے سہ پہر کو جلیاں والا باغ اپنے نو برس کے لڑکے کرپارام کے ساتھ پہنچا، کوئی آدھے گھنٹے کے بعد میں نے ایک طیارے کی گڑگڑاہٹ سنی، اس وقت ہنس راج تقریر کر رہے تھے۔ انھوں نے کرسی پر ڈاکٹر سیف الدین کچلو[1] کی تصویر رکھ دی۔ جلسے میں کوئی باغیانہ تقریر

---

[1] یہ ڈاکٹر کچلو آخر وقت تک کانگریس کے وفادار رہے۔ تقسیم ہند کے وقت بھی صوبہ کانگریس کے

نہیں کی گئی۔ البتہ حکومت کے رویہ پر تنقید کی گئی اور رولٹ ایکٹ کی تنسیخ کا مطالبہ کیا گیا تھا- یکایک کیا دیکھتا ہوں کہ فوجیوں نے سارے باغ کا محاصرہ کر لیا۔

امرتسر کے روزنامچہ جنگ (WAR DIARY) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ:-

۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو فائرنگ کے بعد مجمع منتشر ہو گیا۔

۱۶۵۰ راؤنڈ چلائے گئے۔

۳۰۰ کے قریب مقتول و مجروح ہوئے۔

شہر پر خاموشی طاری تھی، اور اس رات جب جنرل ڈائر نے گشت کیا تو ایک متنفس بھی نہیں دکھائی دیا۔ اور یہ ممکن کس طرح تھا کہ کوئی متنفس دکھائی دیتا۔

کیا قبرستان میں زندگی چلتی پھرتی دکھائی دے سکتی ہے؟ کسی ویرانے میں وہ رونق کہاں جو آبادی میں نظر آتی ہے؟

اور ڈائر اس شہر کی آبادی کا صفایا کرنے پر تلا تھا!

ڈائر جو رحم کرنا نہیں جانتا تھا-! (باقی باقی)

صدر تھے لیکن جب امرتسر سے مسلمان نکالے گئے تو ڈاکٹر صاحب اپنے وطن میں نہ رہ سکے، چونکہ پاکستان کے مخالف تھے لہٰذا دہلی میں جا کر بس گئے۔ گھر چھٹا، ساز و سامان لٹا، لیکن کانگریس نے خبر بھی نہ لی- دو سال ہوئے دہلی میں انتقال ہو گیا- انتقال کے بعد تعزیت کے لئے جواہر لال نہرو ڈاکٹر صاحب کے مکان پر چند منٹ کے لیے گئے تھے۔

کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدۂ!